قرآن کریم میں معنویت کے بنیادی اصول

محمد علی جوہری[1]

خلاصہ

عالم غیب اور ماورائے طبیعت پر مبتنی نظام کے تحت یقین کی بنیاد پر معنویت، تشکیل پاتی ہے، غیب پر ایمان، معاد پر یقین، انسانی پیکر میں موجود روح الہی پر اعتقاد، معنویت کی واضح مثالیں ہے جن کا سلسلہ آخر کار اللہ تعالیٰ کی ذات پر منتہی ہوتا ہے اسی لئے الہی تصور کے بغیر سیر و سلوک، روحانی پاکیزگی اور معنویت کا حصول ممکن نہیں۔اور یہ معنویت، عقلانیت، اعتدال پسندی، اور عبودیت و بندگی جیسے اسلامی اصولوں پر قائم ہے اسی لئے انسان کی فردی، اجتماعی، مادی اور معنوی زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہے۔اس مقالے میں قرآن کریم کی روشنی میں معنویت کے بنیادی اصول پر بحث کے ساتھ مبانی، عناصر اور کارکردگی پر نیز انسان کی فردی زندگی میں معنویت کے مثبت اثرات سمیت، اجتماعی فوائد کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

تحقیق کے نتیجے میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ قرآن کریم کی رو سے انسان کی زندگی کو کمال تک پہنچانے میں معنویت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور اسکا دائرہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہونے کے ساتھ، کمال کے اعتبار سے انسانی کمال میں مؤثر تمام عقلی، نفسیاتی، جسمانی، معرفتی، تربیتی اور شریعتی، تمام زاویوں کو بھی احاطہ کرتا ہے، قرآن حکیم نے "معنویت" کی حقیقت اور اس کے بنیادی اصول کو نہایت حسین انداز میں پیش کیا ہے، قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں انسان، اپنی زندگی میں معنویت کو اپناتے ہوئے فردی اصلاح کے ساتھ، سماج کی اصلاح بھی کر سکتا ہے اور جہاں اپنی آخرت کو سدھار سکتا ہے وہی اپنی دنیا کو بھی سنوار سکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: معنویت، اصول، روح، بندگی، عقلانیت، فطرت

تمہید

قرآن کریم، معرفت اور معنویت کی کتاب ہے، اس عظیم کتاب کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی کمال، توحیدی فطرت کے محور پر گردش کرتا ہے اور دوسری جانب معرفت الہی اور خدا کی جانب میلان، انسان کے وجود میں ودیعت کردی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ معرفت الہی اور خدا کی جانب میلان کا شمار، انسان کی ذاتی اور فطری صفات میں ہوتا ہے جو معنویت کے اصلی جوہر کو تشکیل دینے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں، قرآن مجید کی روشنی میں خدا کی ذات اور فطرت انسانی کو نظر میں رکھے بغیر معنویت کا تصور محض ایک خیال خام کے سوا کچھ بھی نہیں، فطرت انسانی اور الہی تصور سے عاری معنویت، نا قابل حصول ہونے کے ساتھ انسانی فطرت کے ساتھ ہر گز سازگار نہیں ہے۔

قرآن کی نظر میں معنویت، انسان کے تکامل کا پیش خیمہ ہے اور ماورائے طبیعت سے اس کا تعلق ہے، انسان کا باطن انسان کی معنوی حیات کا اصلی مرکز ہے جو جہان مادہ سے کہیں وسیع اور عریض ہونے کے ساتھ اصلیت بھی رکھتا ہے۔ ( ) انسان اپنے باطن کی

---

[1] طلبہ سطح ۴ فقہ و اصول، جامعۃ المصطفیٰ العالمیۃ

تاریخ وصول: ۸/۲/۲۰۲۲ تاریخ تائید: ۵/۴/۲۰۲۲

رو سے ہمیشہ کمال کا خواہاں ہے اور کمال کا حصول، انسان کا عظیم ہدف اور مقصد ہے اور اس ہدف تک پہنچنے کیلئے صراط مستقیم کی عظیم شاہراہ پر چلنے کی ضرورت ہے۔ یہ شاہراہ انسان کے نہاں میں موجود ہے اسی لئے ہر انسان کے اندر یہ استعداد پائی جاتی ہے کہ اپنے باطن میں موجود شاہراہِ کمال کو کشف کرتے ہوئے راہ کمال پر مسلسل اپنے سفر کو جاری رکھے۔ ( ) تاہم عملی میدان میں انسانوں کی دو قسمیں بنتی ہیں، بعض انسان ایسے ہیں جو فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسلسل کمال کی جانب گامزن ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اپنی غفلت کی بناپر فطرت کی شاہراہ سے منحرف ہو کر تنزلی اور پستی کا شکار ہوتے ہیں جنہیں قرآن حکیم نے چارپایوں سے تشبیہ دی ہے۔ ( )

قرآن کریم، شریعت کی کتاب ہونے کے ناطے ، بار بار انسان کو فطرت انسانی کی جانب دعوت دیتا ہے، قرآن وہ پہلی کتاب ہے جس نے صراحت کے ساتھ دین اور مذہب پر ایمان کو انسانی خلقت کے ساتھ ہماہنگ قرار دینے کے ساتھ اسے انسان کی فطرت کا حصہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : أَ فَغَيْرَ دينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَ لَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّماواتِ وَ الْأَرْضِ طَوْعاً وَ كَرْهاً وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ( ) "کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے خواہاں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی موجودات، چار و ناچار اللہ کے آگے سر تسلیم خم کیے ہیں اور سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔"

دوسری جگہ اعلان ہوتا ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنيفاً فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْها ( ) "پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں، اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ دین اور مذہب پر ایمان ، معنویت کی جانب ہدایت کرنے کے ساتھ جذبات اور خواہشات پر قابو پانے کے سلسلے میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے، دین و مذہب کا پابند انسان، خدا پر ایمان رکھنے کے ساتھ ، اعمال کی سزا اور جزاء کے تصور کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں اپنے آپکو ہر قسم کی برائی سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے وہی نیک اور اچھے اعمال بجالانے کی سعی کرتا ہے جو انسان کی معنویت کا اعلا شاہکار ہے۔ یہی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "معنویت" کے تحقق میں دو طرح کے عناصر دخیل ہیں، پہلے عنصر کو مثبت اور دوسرے کو منفی عنصر کا نام دیا گیا ہے اور دوسرا عنصر پہلے عنصر کا لازمہ ہے، جب انسان مذہبی ایمان کی بنیاد پر خدا اور عالم غیب سے اپنے رابطے کو مضبوط کرنے کیلئے قدم آگے بڑھاتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ ان تمام رکاوٹوں کو ہٹادے جو اس کے اور خدا کے درمیاں رابطے میں حائل ہیں۔ انسان کا اپنے خالق سے رابطہ دائمی ہونے کے ساتھ نامحدود بھی ہے لہٰذا ایسے پائدار اور وسیع رابطے کو قائم کرنے کیلئے محدود اور ناپائیدار روابط سے قطع تعلق کرنے کی ضرورت ہے، جسے عرفا کی نگاہ میں "اشیاء کی مملوکیت سے رہائی" کا نام دیا گیا ہے، ( ) بنابراین، انسان کو حقیقی معنویت تک پہنچنے کیلئے جہاں مثبت اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے وہی مبغوض اور منفور کردار سے اجتناب بھی لازمی ہے ، اور اسی صورت میں کامیابی اسکا قدم چومتی ہے اور قرآن کی نگاہ میں یہی معنویت کا جوہر اصلی ہے اور توحید، عدالت ، نبوت ، امامت اور قیامت جیسے اصولوں کے اعتقاد پر مبنی "نیک اور صالح اعمال کی انجام دہی" اس کا سرچشمہ ہے جس سے عبودیت اور بندگی کے چشمے جاری وساری ہوتے ہیں۔ ( )

قرآنی اصولوں پر موقوف "معنویت" کیلئے دو اساسی خصوصیتوں، جامعیت اور کمال کا ہونا لازمی ہے، پہلی خصوصیت کے پیش نظر "معنویت" کو انسان کی زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہونا ضروری ہے، چاہے اس کا تعلق انسان کی فردی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے ، دنیاوی زندگی سے ہو یا پھر اخروی زندگی سے ، اور دوسری خصوصیت کی روشنی میں "معنویت" کا دائرہ اتنا وسیع ہو

جو انسان کے معنوی کمال میں مؤثر تمام تر گوشوں کو احاطہ کرے، اس اعتبار سے انسان کو جہاں اپنی فکری، اخلاقی اور معنوی نظام کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے وہی اجتماعی اور بیرونی روابط کو بھی سدھارنے کی ضرورت ہے، اسی لئے معنویت کے حصول میں ممکنہ طور پر ان دونوں جہات میں سے کسی ایک کو نظرانداز کرنے کی صورت میں "معنویت" سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا حقیقی معنویت وہی ہے جو جامع ہونے کے ساتھ کامل بھی ہو جس سے انسان کی اندرونی بیماریوں کے علاج کے ساتھ بیرونی اور معاشرتی بیماریوں کاعلاج بھی ممکن ہو، اس طرح یہ معنویت فرد اور معاشرے دونوں کی سعادت کا ضامن بن سکتی ہے۔

مذکورہ نکات کومد نظر رکھتے ہوئے اس مقالے میں قرآن کی رو سے درج ذیل جہات پر بحث کی جائیگی۔

الف: "معنویت" کے اصول اور ضوابط۔ ب "معنویت" کے تشکیل میں دخیل عناصر ج "معنویت" کا فلسفہ۔

الف: قرآن میں "معنویت" کے اصول اور ضوابط

قرآن کریم جو کہ کتاب ہدایت ( ) ہونے کے ساتھ تعلیم اور تربیت کا جامع اور کامل مجموعہ بھی ہے، ( ) نے پہلے مرحلے میں "معنویت" کے مفہوم کو وسیع پیمانے پر بیان کرتے ہوئے اس کے دائرے کو گفتار و کردار سے لیکر افکار اور اہداف تک قرار دیا ہے، اسی لئے ہر وہ کام جس میں الٰہی رنگ و بو ہو، وہ معنویت کے دائرے میں داخل ہے جیساکہ ارشاد ہوتا ہے: صِبْغَةَ اللَّهِ وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَة ( ) "خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھااور کس کارنگ ہو سکتا ہے؟"

الٰہی رَنگ میں رنگنے کیلئے خلوص، مرکزی حیثیت رکھتا ہے، عبادت و بندگی، سیاست وحکومت، ذکر و فکر، تعلیم و تعلم، سیر و سلوک اور دیگر تمام انسانی اعمال کی قبولیت، خلوص سے مشروط ہے، جس طرح جسم کی صحت و بقا کیلئے دل مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور دل رک جائے تو نبضِ حیات، ٹھہر جاتی ہے اسی طرح اعمال صالحہ کی صحت و قبولیت، اخلاصِ کے محور پر گردش کرتی ہے اسی لئے قرآن کریم، انسان کو اخلاص کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين ( ) «پس دین کو صرف اس کے لیے خالص کرکے اللہ ہی کو پکارو» اسی لئے قرآن کریم نے معنویت کے حدود کے ساتھ اس کے اصول اور ضوابط پر بحث کی ہے جن میں سے بعض کی جانب یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ روح کی اصالت پر ایمان

قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں انسان، زمین میں خلیفہ الٰہی ہونے کی بناپر اسمائے الٰہی کے جلووں کا مرکز قرار پایا ہے اسی لئے معرفت کے جغرافیائی حدود کے لحاظ سے انسان کا وجود "اصالت روح" میں خلاصہ ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: فَإِذا سَوَّيْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحي فَقَعُوا لَهُ ساجِدين ( ) «پھر جب میں اس کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ»

انسان کا وجود جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں خدا کی ہی کی تخلیق کردہ ہیں تاہم انسان کا مادی پیکر اس وقت تک لائق سجدہ نہیں بنا جب تک اس میں روح پھونکی نہ گئی: وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحي فَقَعُوالَهُ ساجِدين ( ) مگر خدائی روح کے بعد خدا نے حکم دیا کہ تمام فرشتے اُسے سجدہ کریں، یہ اصل میں اصالت روح کی نشاندہی ہے جسے اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، "روحی" کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تکوینی خلقت کے سفر کا باقاعدہ آغاز روح پھونکے جانے کے بعد سے ہی ہوا ہے، اور انسان کو چاہئے کہ اسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے خدا کی جانب معنوی سفر کو جاری رکھے یہاں تک کہ عشق الٰہی سے سرشار معنوی سفر کی آخری منزل فَادْخُلي في

عبادي وَ ادْخُلي جَنَّتي ( )«اور میرے بندوں میں داخل ہو جااور میری جنت میں داخل ہو جا» تک پہنچ جائے۔ایسے حسین اور جمیل معنوی سفر کا ادراک اس وقت معرض وجود میں آتا ہے جب انسان بندہ رحمان ہونے کے ساتھ اپنے وجود میں موجود "مِنْ رُوحی "کے جوہر کی اصالت پر بھی توجہ مرکوز کرے۔یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب معنویت کے سفر کے دوران، قرآن کریم کی جانب سے ترسیم کردہ اصول اور ضوابط کی روشنی میں اپنی شخصیت کے حدود اربعہ کو پہچانتے ہوئے روحانیت کے چراغ کی روشنی میں جادہ شریعت پر قدم رکھتا ہے۔

۲۔ فطرت پر توجہ کی ضرورت

قرآن کریم کی نگاہ میں انسان، خدائی فطرت کا حامل ہے اور اچھے اور اعلاء اقدار کی جانب رغبت، اسی فطرت کا حصہ اور جزء لاینفک ہے، علم و معرفت، خیر خواہی، انس و محبت، عدالت خواہی، عبودیت و بندگی جیسے دریاوں کی انتہاء انسانی فطرت کے سمندر میں ہی ہوتی ہے، اس فطرت پر چار چاند اس وقت لگ جاتے ہیں جب انسان، آگہی نفس کے ساتھ اپنی اصالت پر توجہ دے، آگہی نفس کے ساتھ اصالت کی جانب متوجہ ہونے کی صورت میں معنویت قرآنی، انسان کے وجود میں جلوہ گر ہوتی ہے اسی لئے قرآن نے بار بار نفس کی حفاظت پر زور دیا ہے تاکہ کہیں آلودگی نفس سے انسان کی پاک فطرت آلودہ نہ ہونے پائے، اگر خدانخواستہ فطرت انسان آلودہ ہو جائے تو معنویت کے تمام دروازے انسان پر بند ہو جائیں گے، ارشاد ہوتا ہے: يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَميعاً فَيُنَبِّئُكُمْ بِما كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ «اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، اگر تم خود راہ راست پر ہو تو جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا، تم سب کو پلٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔»

فطرت کی اہمیت اس زاویئے سے بھی قابل غور ہے کہ انبیاء الہی: کی رسالت، فطرت انسانی کے بیدار کرنے پر مرکوز رہی ہے چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل ے نے بابل کے بت پرستوں کو فطرت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے انکو غلطی کا احساس دلایا ہے اور حضرت ابراہیم ے کی تبلیغ کے نتیجے میں بت پرست، اپنے عقیدے کی صحت سے متعلق جائزہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: فَرَجَعُوا إِلى أَنْفُسِهِمْ فَقالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ( )«وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور کہنے لگے: حقیقتاً تم خود ہی ظالم ہو» اسی لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں معنویت کی گفتگو فطرت کے ارد گرد گھومتی ہے۔ لہٰذا فطرت اور ضمیر سے بیگانہ انسان حقیقت میں معنویت سے بیگانہ ہو کر خدا کو بھلا دیتا ہے جسکا نتیجہ خود فراموشی کی صورت میں سامنے آتا ہے جو قساوت قلب پر منتج ہوتا ہے جس کا ثمر فسق وفجور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی بناپر خدا انہیں فاسق کے زمرے میں شامل کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَ لا تَكُونُوا كَالَّذينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْساهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولئِكَ هُمُ الْفاسِقُونَ اور (خبردار) ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلادیا تو اللہ نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کردیا، یہی لوگ فاسق ہیں» اسی نکتے کی جانب شاعر مشرق علامہ اقبال نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: جو دونی فطرت سے نہیں لائق پرواز- اس مرغک بیچارہ کا انجام ہے افتاد۔( )

۳۔عالم غیب پر یقین

اللہ کی بنائی ہوئی کائنات، غیب اور شہود میں تقسیم ہوتی ہے، جس کی مثال خود انسان کے وجود میں جسم اور روح کی صورت میں پائی جاتی ہے، قرآن کریم کی نگاہ میں جہان ہستی کا دائرہ محسوسات پر ختم نہیں ہوتا، محسوسات تو اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، کائنات کا عظیم حصہ جہان محسوسات سے ماوراء ہے، محسوسات پر مشتمل جہان کو عالم شہود اور ماورائے محسوسات کو عالم غیب سے یاد کیا جاتا

ہے، ( ) کائنات ہست وبود کے ان دو رخوں میں علت و معلول کا رابطہ پایا جاتا ہے جس کی مثال خود انسان کا تن و جان ہے، اگر انسان الَّذينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْب ( ) کو عنوان حیات قرار دیتے ہوئے عالم غیب پر ایمان رکھنے کے ساتھ اس کی اصالت پر بھی یقین رکھتا ہو تو معنویت کے جوہر اس کے وجود میں نکھر کر سامنے آئیں گے، معنویت اور ایمان بالغیب میں چولی دامن کا ساتھ ہے جتنا انسان کا غیب پر ایمان مضبوط اور مستحکم ہوتا جائیگا اسی تناسب سے معنویت میں بھی اضافہ ہوتا جائیگا۔ عالم غیب پر ایمان کے تناظر میں، انسان اور ابدی حیات اور دائمی نعمات کے درمیان مضبوط رابطے سے، انسان عالم شہود کے رخ کو بھی اسی عالم کی جانب موڑ کر مادیت سے ہجرت کرتے ہوئے معنویت کی جانب سفر کرنے لگتا ہے، عقلی اور نقلی دلائل کے پس منظر میں جس قدر غیب پر ایمان میں استحکام پیدا ہوگا اسی تناسب سے انسان کی معنویت میں بھی شدت آتی جائیگی۔ ( ) لہٰذا انسان کی معنوی حیات، عالم غیب پر یقین اور اس کی اصلیت پر منحصر ہے۔ ( )

۴۔ شریعت کی پابندی

قرآن کریم کی نظر میں شریعت، انسانی زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے، اسی لئے قرب پروردگار اور معنویت کا حصول، شریعت کی تعلیمات پر عمل سے ہی ممکن ہے، شریعت پر پابندی، انسان کی تعمیر اور انسانی اخلاق وعادات کی تہذیب میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے شریعت کی مثال ٹریفک قوانین کی طرح ہے جس طرح ٹریفک قوانین پر عمل پیرا ہونے سے وقت کی بچت کے ساتھ ساتھ حادثات کی روک تھام بھی ممکن ہے ت لیکن ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی، مبینہ طور پر اندوہناک حادثات کا سبب قرار پا سکتی ہے جس کی وجہ سے ڈرائیور سمیت دوسرے افراد کی جان اور مال کیلئے بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح شریعت کے دستورات پر عمل سے معنویت کی شاہراہ پر گامزن انسان صحیح سمت حرکت کرنے کے ساتھ بہت جلد اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے تاہم اگر ان دستورات پر عمل کرنے سے گریز یا کوتاہی کی صورت میں منزل مقصود کی جانب حرکت تو دور کی بات بلکہ اپنی ہلاکت کے ساتھ بسا اوقات دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، اسی لئے قرآن میں جہاں انسان کے و (وَ ما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ ما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا)« اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ» کی صورت میں پیغمبر اسلام ؐ کی شریعت کے ضابطہ حیات پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے وہی وَ مَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّه فَأُولئكَ هُمُ الظَّالِمُون ( )«اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں» کی صورت میں شریعت کے حدود کو نظر انداز کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ الٰہی احکام کی پابندی مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے ساتھ انسان کی حیوانی زندگی کو حیات عقلانی میں بدل دیتی ہے اور اس کے دل کو نورانی کرتی ہے جس کے نتیجے میں ایسا شخص دوسرے افراد کیلئے نمونہ عمل ٹھہرنے کے ساتھ، بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ بھی دکھا سکتا ہے لیکن دستورات الٰہی سے سرپیچی کرنے والا، ظلمت کے اندھیرے میں گم ہو جاتا ہے اور اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا، قرآن حکیم نے دونوں قسم کے انسانوں کی منظر کشی اس انداز میں کیا ہے: وَ مَنْ كانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْناهُ وَ جَعَلْنا لَهُ نُوراً يَمْشي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُماتِ لَيْسَ بِخارِجٍ مِنْها ( ) « کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے روشنی بخشی جس کی بدولت وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو؟» لہٰذا دین اور شریعت کے اصولوں پر عمل، انسان کی مادی اور فردی سعادت کی ضمانت کے ساتھ اسکی معنوی اور اجتماعی سعادت کا بھی ضامن ہے۔

ب: قرآن میں "معنویت" کے عناصر

معنویت سے متعلق مباحث میں ایک اہم بحث معنویت میں دخیل عناصر اور عوامل کی ہے جو معنویت کی تشخیص میں معاون و مددگار ہونے کے ساتھ سچی اور جھوٹی، مذہبی اور سیکولر معنویت کی شناخت کا معیار بھی ہیں، انسان انہی عناصر کی کسوٹی پر تشخیص دے سکتا ہے کہ معنویت کی کونسی قسم کارآمد، متحرک، زندگی ساز، کمال آفرین اور کونسی قسم جھوٹی، گمراہ اور تباہ کن ہے، آج کی ماڈرن دنیا میں "ماڈرن انسان کیلئے ماڈرن معنویت کی ضرورت" کے عنوان سے معنویت کے نام پر بہت سی نت نئی تحریکیں معرض وجود میں آچکی ہیں اور انکے ذریعے سیکولر اور لبرل معنویت جیسی معنویت کی مختلف اقسام کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے جو اندر سے ڈھول کی طرح خالی ہیں تاکہ جدید دور میں روحانی خلا، معنوی فقر اور شخصیت کے کرائسس کا شکار انسان کی مشکلات کو حل کیا جاسکے۔( ) اسی لئے معنویت کے معیارات اور عناصر کو قرآن کی آیات کی روشنی میں بیان کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہے، یہاں بعض معیارات اور عناصر کی جانب اختصار کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے۔

ا۔ سمجھداری اور عقلانیت

قرآنی معنویت کی اساس اور بنیاد، ہمیشہ عقلانیت پر قائم ہے، اگر معنویت کو عقلانیت کی پشت پناہی اور حمایت حاصل نہ ہو تو انسان، زمانے کے چیلنجوں اور تضادات کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو کر شکست کھانے پر مجبور ہوتا ہے، اسی لئے روایات میں عقل کو "مومن کا رہنما اور فضیلت انسان" ( ) "سب سے بہترین تحفہ" ( ) "دین کی اساس" ( ) قرار دیا گیا ہے، چنانچہ عقل کی فضیلت کے سلسلے میں احادیث کی کتب میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں، جیسے« العقل لاینخدع» ( ) "عقل دھوکہ نہیں کھاتی" «علی قدر العقل یکون الدین» ( ) "انسان جتنا عاقل ہوگا اتنا دیندار ہوگا" « العقل ما عبد به الرّحمن و اکتسب به الجنان» ( ) "عقل کے ذریعے خدائے رحمان کی عبادت اور بہشت حاصل کی جاتی ہے «العقل رقی الی علیین» ( ) "عقل انسان کو بلندیوں کی جانب لے جاتی ہے" «إنه لم یخف الله من لم یعقل عن الله» ( ) "عقل سے عاری انسان ہی اللہ سے نہیں ڈرتا"

احادیث کے علاوہ، خود قرآن کریم نے بھی عقل کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے عقل سے بے بہرہ انسان کو بدترین مخلوق قرار دیا ہے إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لا يَعْقِلُونَ ( ) «اللہ کے نزدیک بدترین زمین پر چلنے والے وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں» اور قوہ عاقلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اندھی تقلید میں گرفتار افراد کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اعلان کیا ہے وَ إِذا قيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا ما أَنْزَلَ اللَّهُ قالُوا بَلْ نَتَّبِعُ ما أَلْفَيْنا عَلَيْهِ آباءَنا أَ وَ لَوْ كانَ آباؤُهُمْ لا يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَ لا يَهْتَدُون ( ) «جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہئے ان کے باپ دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ آیات اور روایات پر مبنی اسلامی معارف کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ عقلانیت سے عاری معنویت، ہمیشہ کمال انسانی کے ساتھ برسرپیکار ہوتی ہے اسی لئے غیر عقلی معنویت نہ تو انسان کو کمال تک پہنچاتی ہے اور نہ ہی اس سے انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے اسی لئے ہوش و خرد سے ناآشنا معنویت کا شمار مذموم معنویت میں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے قرآن کریم میں جگہ جگہ انسان کو تفکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی فکری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے مذموم معنویت کے دلدل میں

گرفتار ہونے سے اپنے کو بچائے رکھے ، غور و فکر اور تعقل سے انسان اپنے تمام تر توہمات اور خیالات کو جھٹک کر حقیقت کی گہرائی میں سفر کرتا ہے اور اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ دراصل فکر اور تعقل کو نبی باطن ( ) سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت ادراک اور روشنی موجود ہے جو کسی ظاہر کے باطن کا، کسی حضور کے غیب کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔

۲۔ توازن اور اعتدال

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ توازن و اعتدال ایک کائناتی حقیقت ہے۔ کائنات میں ہم کو ہر جگہ ہر چیز میں توازن و اعتدال نظر آتا ہے جس سے ہر شئے کو قیام و استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اگر آدمی نقطۂ اعتدال سے ہٹ جائے تو لازماً طرفین میں سے کسی ایک طرف مائل ہو کر انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے ،آج دنیا جس دہشت گردی سے پریشان اور خوف زدہ ہے ، اس کی بنیادی وجہ راہ اعتدال سے انحراف ہے اور یہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ قرآن حکیم نے توازن و اعتدال کو کائنات کی ایک زندہ اور جیتی جاگتی حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ ( ) قرآن کی نگاہ میں دائرۂ حیات، اعتدال کے گرد ہی گھومتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرمائی اعتدال کی ہی ہے ، عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اس کی کارفرمائی نہ ہو یا اسے نظرانداز کر دیا گیا ہو، درحقیقت اسلام جیسے فطری دین میں ظاہر و باطن کا ہر جلوہ، اور فکر و عمل کا ہر ذرّہ عدل پر مبنی ہے اسی لئے معنویت میں توازن اور اعتدال ایک ناگزیر امر ہے تاکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ، توازن و ہم آہنگی سے ہم کنار ہو ، اور نظام و انتظام کا ہر عنصر اپنے اپنے دائرے میں ٹھیک ٹھیک کام کرے اور مطلوبہ مثبت نتائج پیدا کرے، شریعت اسلام کا مزاج اعتدال سے ہی عبارت ہے ( ) کہ یہ تعمیر باطن بھی کرتا ہے اور ظاہر کو بھی درست رکھتا ہے۔ تاہم معنویت اور معنویت کے علاوہ تمام امور میں بے اعتدالی سے جہاں انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے وہی حق تلفی بھی ہوتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو اگر اس قسم کی کسی بے اعتدالی کی خبر ملتی تو آپؐ اس کا فوری نوٹس لیتے اور اصلاحی تدابیر اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کے بارے میں جب ہمہ تن مصروفِ عبادت ہونے کی اطلاع آپکو ملی تو ان کو فوراً بلا بھیجا اور آپ نے ان سے فرمایا: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو کیا یہ بات سچ ہے؟ صحابی نے جواب دیا: جی ہاں، ایسا ہی کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: یہ طرزِ عمل اختیار نہ کرو، روزہ رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو تہجد بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، اس لیے کہ تمھارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ ( ) لہٰذا اس داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ بے اعتدالی کی نوعیت ، بظاہر عبادت ہی کیوں نہ ہو، دین کے نزدیک بہر حال پسندیدہ نہیں اور اسکے ذریعے معنویت کا حصول ممکن نہیں، چنانچہ اعتدال سے تجاوز کی صورت میں اس بات کا بہت اندیشہ ہے کہ انسان بجائے سدھرنے کے بگڑ جائے۔

۳۔ عبودیت اور بندگی

انسانی جوہر ، خدا کی عبودیت اور بندگی میں پوشیدہ ہے، انسانی کمال تک پہنچنا صرف اسی راہ سے ممکن ہے ،تاریخ انسانیت کی عظیم شخصیتوں کی طرز زندگی پر غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی زندگی کے ناقابل تفکیک اصول میں ، خدا کی بندگی سرفہرست رہی ہے، خدائے متعال کی بندگی کے بغیر کوئی بھی انسان اختیاری کمالات کو حاصل نہیں کر سکتا، اسی لئے خدائے متعال کی عبادت سے منہ موڑنے والا انسان، حقیقت میں انسانی کمال کی راہ کو مسدود کرتے ہوئے اپنے لئے جہنم کی راہ ہموار کرتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ( ) «جو لوگ از راہ تکبر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں یقینا وہ ذلیل ہو کر

عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے» اسی نکتے کے پیش نظر قرآن نے طاغوت کی پرستش سے نہی اور لوگوں کو بندگی اور عبودیت الہی کی جانب دعوت کو تمام پیغمبران الہی کی رسالت کا مقصد، قرار دیا ہے (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَسُولاً اَنِ اعْبُدُواا للهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ( ) «اور یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔»

عبودیت و بندگی کی قدر و قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ قرآن مجید میں جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبودیت اور بندگی کو ہی قرار دیا گیا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الانْسَ الَّا لِیَعْبُدُون ( ) «اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے» یہی وجہ ہے کہ انسان کی فطری ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت، حس عبادت و پرستش ہے اسی لئے دنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں جو حس پرستش سے محروم اور بیگانہ ہو۔

خدا کی پرستش سے جہاں عبد اور معبود کے درمیان قلبی رابطے میں استحکام پیدا ہوتا ہے وہی غفلت کے پردوں کو چاک کرتے ہوئے انسان اپنے رابطے کو سماج کے ساتھ منطقی اصولوں پر استوار کرتا ہے کیونکہ عبودیت پر مبنی معنویت میں عزلت نشینی کا تصور ممکن نہیں، خلق خدا کی خدمت اور ان سے اچھے تعلقات بھی عبادت کے زمرے میں ہی آتے ہیں یہاں تک کہ بعض روایات میں خدمت خلق کو بہترین عبادت قرار دیا گیا ہے۔( ) اسی لئے قرآنی معنویت کی رو سے فرد اپنے تمام وجودی پہلوؤں کو عبادت کے دائرے میں صحیح طرح ادارہ کرسکتا ہے، اور تمام اخلاقی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کو الہی نور کے سائے میں خوبصورت طریقے سے نبھانے کی قوت رکھتا ہے، متعبد انسان اندرونی اصلاحات کے ساتھ بیرونی روابط میں خاندان اور معاشرے کی اصلاحات کیلئے بھی ٹھوس اقدامات کرسکتا ہے لہٰذا قرآن کی نظر میں روح معنویت، بندگی اور عبودیت میں پوشیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے انسان کے سر پر خلافتِ الٰہیہ کا تاج جو عروج انسانی اعلاء اور بلند ترین مقام ہے اور زمین کی وراثت کو عبودیت سے مشروط کردیا ہے( ) اس لئے مقام بندگی میں انسان اپنے آپکو اس قدر بلند کرے کہ: «خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟»

ج: قرآن میں معنویت کا فلسفہ

قرآن حکیم کی نگاہ میں قرآنی معنویت، متحرک اور قابل اعتماد ہونے کے ساتھ کمال پذیر بھی ہے، دراصل معنویت کا سب سے بڑا فلسفہ یہی ہے کہ انسان ارتقائی کامیابیوں کے حصول میں ہونے والی پیشرفت پر کبھی بھی قانع نہ ہو ( ) بلکہ اللہ تعالی کی ودیعت کردہ تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے روز بروز روحانی اور معنوی صفات کے حصول میں ترقی کرتا جائے اور نیکیوں اور اچھائیوں کی سمت مسلسل قدم بڑھاتے ہوئے فردی کمال کے ساتھ اجتماعی کمال کیلئے بھی راستہ ہموار کرنے کی کوشش جاری رکھے تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں روحانی لذات اور معنوی کیفیات سے بہرہ مند ہوں، اگر معنویت کا سفر اس نہج پر جاری رہے تو اخلاقی انحطاط کا شکار انسانی معاشرہ مدینہ فاضلہ میں تبدیل ہوسکتا ہے جس میں ہر فرد ایک بدن کے اعضا کی طرح ہمدردی کے ساتھ اپنے وظائف کو انجام دیتا ہے اور قرآن کی رو سے ایسے معنوی سفر کی درج ذیل خصوصیات ہوتی ہیں۔

ا۔ ابدی اور جاودانی ہے

قرآن کریم کی نظر میں معنویت کا مقصد خداوند عالم کی رضایت کا حصول ہے اسی لئے بندہ، خدا کی جانب ہمیشہ محو سفر رہتے ہوئے اپنے عظیم معنوی سفر کے ماحاصل کو خدا کے حضور مسلسل بھیجتا رہتا ہے جو خدا کی رحمت بیکراں سے ملکر ابدیت کا روپ دھارتا ہے اسی لئے قرآن اعلان کرتا ہے: ماعِنْدَکُمْ یَنفَدُ وَماعِنْدَ اللّٰہِ باقٍ ( ) «جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو خدا کے پاس ہے

وہ باقی رہنے والا ہے۔»

۲- طبقاتی امتیاز سے بالاتر ہے

امتیازی سلوک ایک غیر منصفانہ عمل ہے، جس کے نتیجے میں ایک شخص کو اپنی جنس، نسل، رنگ اور قومیت کی بنیاد پر دوسروں کے مقابلے میں بدتر سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امتیازی سلوک کی وجہ سے وہ دوسروں کے ساتھ مساوی شرائط پر شرکت نہیں کر سکتا، اسی لئے قرآن کریم نے امتیازی سلوک روا رکھنے کے خلاف امتناع کو، انسانی حقوق کے تحفظ کی بنیاد قرار دیا ہے، اور انسانی معاشرے سے ہر قسم کے استحصال اور امتیازی سلوک کو ختم کرنے کی جدوجہد کو بہتر بنانے کے لیے جسمانی ساخت میں فرق کے باوجود صلاحیت ، حقوق اور رتبے میں مرد اور عورت دونوں کو مساوی قرار دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے : مَنْ عَمِلَ صالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَياةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ ما كانُوا يَعْمَلُونَ ( )«جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشر طیکہ صاحب ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔

۳- ایمان اور عمل صالح کی اساس پر قائم ہے

کامیابی چاہے دنیاوی ہو یا اخروی، ایمان کی رفعت اور عمل صالح کی بلندی پر موقوف ہے: إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ( )« پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور عمل صالح انہیں بلند کرتا ہے»

ایمان اور اعمالِ صالحہ لازم و ملزوم ہیں اسی لئے قرآن کریم میں جہاں بھی اہل ایمان کا تعارف کروایا گیا ہے وہاں عمل صالح کا ذکر بھی ضرور نظر آتا ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر انسان معنوی سفر اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی بجالانا ضروری ہے، اگر ایسا کریگا تو وہ کامیاب ہوگا: قرآن کا اعلان ہے: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ( )«اور جو نیک عمل کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت بشر طیکہ صاحب ایمان بھی ہوا نہیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور وہاں بلا حساب رزق دیا جائے گا» یہی سے قرآنی معنویت کے فلسفے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ تعمیر فرد اور اصلاح معاشرہ میں کس قدر معنویت کا کردار ہے، یہ ہر اصلاح، ہر تبدیلی اور ہر اجتماعی تعمیر کی بنیاد ہے، انسان کے اندر موجود، عظیم صلاحیتیں معنویت کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ یہ نظام کائنات کا صحیح تصور، زندگی کا ایک واضح فلسفہ، تہذیب و تمدن کا ایک مکمل منصوبہ پیش کرتی ہے ،امن، سکون، اعتماد کی فضاء انصاف کی بحالی، سچائی کا بول بالا اور محفوظ ہونے کا احساس معنویت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو کسی بھی انسانی معاشرے کو بامِ عروج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کی عزت اور وقار میں بھی ایک غیر متناہی اضافے کا سبب بنتے ہیں اور معاشرے کے افراد پر کچھ اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے معاشرے کو علمی اور اخلاقی ارتقاء کی جانب گامزن کرتے ہیں، کیونکہ ترقی خوشحالی اور امن وسلامتی کے جو اصول قرآن کریم نے وضع کر دیئے ہیں وہ حتمی اور حرفِ آخر ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی فرد یا معاشرہ ان کو پسِ پشت ڈال کر عروج کے منازل طے کر سکے۔ اسی لئے معنویت کے سفر میں معاشرے کی ہر فرد کو«كلكم راع و كلكم مسؤول عن رعيته »() "تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا" کا مصداق بن کر اپنے مقام، اہمیت اور معاشرتی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے فرد اور معاشرے کی تعمیر میں کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

نتیجہ

قرآن میں معنویت کی بنیاد، فطرت، غیب، الہی روح اور شریعت جیسے اصولوں پر قائم کی گئی ہے جو عقلانیت، عبودیت و بندگی اور تعادل اور توازن جیسے عناصر سے وجود میں آتی ہے، قرآنی معنویت کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ جامع اور کامل بھی ہے جو انسان کی زندگی کو سعادت سے ہمکنار کرنے کے ساتھ زندگی کے تمام پہلوؤں اور شعبہ ہائے حیات پر محیط ہے، قرآنی معنویت ترقی پذیر ہونے کے ساتھ امید بخش اور حرارت آفرین بھی ہے اور انسان کی عقلی، روحی اور جسمانی صلاحیتوں کے لئے میدان فراہم کرتی ہے جس کے نتیجے میں علم اور دین، عقل اور ارادہ، عشق اور ایثار انسان کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے، اس طرح انسان، معاشرے کا مفید فرد بن جاتا ہے جو ہمیشہ نیکی اور بھلائی کی طرف متوجہ رہتا ہے، وہ امید کی کرن اور برکتوں کا ہمنوا بن جاتا ہے، اور ایک عظیم مشن کے تحت زندگی گزارتا ہے، اور اسی مشن کو بنیاد بنا کر دین کی آبیاری کرتا ہے۔

قرآنی " معنویت " سے جہاں انسان کی فکری، اخلاقی اور معنوی نظام کی اصلاح ہوتی ہے وہی اجتماعی اور بیرونی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، پانچ وقت کی نمازوں کے لئے جماعت کی تاکید اور جمعہ و عیدین کے لئے جامع مسجد اور عیدگاہ میں اکٹھا ہو کر ایک امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کرنا معنویت کے اجتماعی پہلو کی ایک مثال ہے جو مسلمانوں کے اندر برادرانہ مساوات کی تربیت کے ساتھ دلوں میں اتحاد و ہم آہنگی کے جذبہ کو فروغ دیتی ہے جہاں امیر و غریب، کالے گورے، رومی و حبشی، عرب و عجم کی کوئی تمیز نہیں ہے اور بقول علامہ اقبال سبھی ایک ساتھ، ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ ( )

قرآنی اصولوں کے تناظر میں " معنویت " کے حصول میں ممکنہ طور پر ان دونوں جہات میں سے کسی ایک کے نظرانداز کرنے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا حقیقی معنویت وہی ہے جو جامع ہونے کے ساتھ کامل بھی ہو جس سے انسان کی اندرونی بیماریوں کے علاج کے ساتھ بیرونی اور معاشرتی بیماریوں کا علاج بھی ممکن ہو، اس طرح یہ معنویت، فرد اور معاشرے دونوں کی سعادت کا ضامن بن سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قرآن کریم (ترجمہ: شیخ محسن علی نجفی)
۲۔ حاج حسین بروجردی «جامع احادیث الشیعۃ فی احکام الشریعہ»، قم: مطبعہ المہر، ب ت۔
۳۔ حسن ابن شعبہ حرانی، «تحف العقول» قم: انتشارات جامعہ مدرسین، ۱۴۰۴ق۔
۴۔ عبداللہ جوادی عاملی، «تفسیر تسنیم» قم: نشر اسراء، ۱۳۷۹ش۔
۵۔ عبدالواحد تمیمی آمدی، «غرر الحکم و درر الکلم» قم: دار الکتاب الاسلامی، ۱۴۱۰ق۔
۶۔ عبدالواحد آمدی «شرح غرر الحکم و درر الکلم» تہران: دانشگاہ تہران، ۱۳۷۳ش۔
۷۔ علی لیثی واسطی «عیون الحکم والمواعظ» قم: دارالحدیث، ۱۳۷۶ش۔
۸۔ علامہ اقبال لاہوری، کلیات اقبال (اردو)
۹۔ قاضی، ابی الفضل عیاض «الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ» بیروت: دار الفیحا ۱۴۲۰ق
۱۰۔ محمد جمال خوانساری، «شرح بر غرر الحکم و درر الکلم» تہران: دانشگاہ تہران، ۱۳۶۶ش۔
۱۱۔ محمد اقبال لاہوری «کلیات اشعار اقبال لاہوری» لاہور: ماڈل ٹاون، ۱۹۹۸م۔
۱۲۔ محمد باقر مجلسی «بحار الانوار» بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۳ق۔
۱۳۔ محمد بن علی ابن بابویہ «من لایحضرہ الفقیہ» قم: انتشارات جامعہ مدرسین، ۱۴۱۳ق۔
۱۴۔ محمد حسین طباطبائی «شیعہ» (ہانری کربن کا علامہ طباطبائی کے ساتھ مکاتبات) تہران: مئوسسہ پژوہشی حکمت و فلسفہ ۱۳۸۲ش۔
۱۵۔ محمد حسین طباطبائی «معنویت تشیع» قم: انتشارات تشیع، ۱۳۸۵ش۔
۱۶۔ محمد شربینی «مغنی المحتاج» بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۷ق۔
۱۷۔ محمد صالح مازندرانی «شرح الکافی» تہران: المکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۳۸۲ق۔
۱۸۔ مرتضی مطہری «پیرامون انقلاب اسلامی» تہران: انتشارات صدرا، ۱۳۷۲ش۔
۱۹۔ مرتضی مطہری «مجموعہ آثار» تہران: انتشارات صدرا، ۱۳۸۷ش۔
۲۰۔ میرزا ہاشم آملی «مجمع الافکار و مطرح الانظار»